تفسیر سورةالقیامة آیت ۱۵ ، ۱۶ :

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ . وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ

یه حقیقت ھے که انسان اپنے نفس پر نگران ھے اور خوب دیکھ رھا ھے که اُس سے کیا ظهور میں آتا ھے.

انسان کتنی ھی صفائی پیش کرے اور معذرت کرے اُس سے الزام دور نهیں هو سکتا کیونکه اُس کا نفس لوامه هونا اور صاحب بصیرة هونا اُسکی معذرت کو رد کرتا ھے.

کہ اللہ تعالیٰ نے اس نفس لوامہ کا ذکر فرمایا ہے نفس لوامہ وہی ہو سکتا ہے جو صاحب شعور و تمیز ہو جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جب انسان صاحب تمیز ہے تو وہ جانتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے مطلب یہ کہ ضمیر کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا خواہ انسان کتنے ہی بہانے کرے کتنی حجت بازی کا کام لے ضمیر کی تسلی صرف نیکی کے احسان کے ذمہ داریوں اور حقوق کی ادائیگی سے ہوتی ہے لہذا پیش کرنے کا نہیں اور جب تک ضمیر مطمئن نہ ہو اس وقت تک انسان عذاب سے بچ نہیں سکتا خواہ آرام و راحت کا سارے سامان بھی کیوں نہ مہیا ہو جائیں یہ کیفیت نفس انسانی کا حساب اعمال کی دلیل ہے

البصیرۃ میں تاء تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کیلئے ہے جیسا کہ علامہ میں ہے بہت دیکھنے والا خوب غور کرنے والا یا مصدر کے طور پر کے استعمال فرمایا جیسا کہ کہتے ہیں کہ زید عدل یا زید جود و کرم بہت زور اور تاکید اور مبالغہ کیلئے بجائے عادل کے زید عادل ہے کہہ دیتے ہیں کہ زید تو عدل ہے سراپا ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ فلاں تو مجسم شرافت ہے

گذشتہ چند آیات میں قیامت کی دلیل کے طور پر تاریخ میں واقعہ ہونے والے حوادث جو نبی کریم صلعم کی بعثت اول میں ظاہر ہوئے یا جو بعثت ثانیہ میں مقدر تھے ان حوادث کو قیامت پر دلیل کے طور پر پیش فرمایا تھا پھر اسکے بعد انسان کی نفسیات کے مضمون کو لیا جیسا کہ شروع کے مضمون میں رہا تھا کہ انسان کو انسان کے امتیاز اور صاحب شعور و تمیز ہونا اسکے اشرف المخلوقات ہونا اسکے کمالات نفسانی اور ظاہری بناوٹ سب کو قیامت پر دلیل قرار دیا تھا پھر اسی مضمون کی طرف رجوع فرمایا کہ انسان صاحب البصیرۃ ہے بلکہ یوں کہو کہ مجسم البصیرت ہے خدا تعالیٰ نے اسکا سارا وجود روحانی اور عقلی اور جسمانی ایسا بنایا ہے کہ وہ باقی مخلوقات سے امتیاز رکھتا ہے انسان کو وہ استعداد بخشی گئی ہیں جو مخلوقات ہونے کیلئے ضروری تھیں پس انسان البصیرہ ہو تو ہر بات نیک اور بد میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ اہلیت

دوسرے انسان پر حجت ہے ایک تو یہ کہ صاحب تمیز اور نفس لوامہ رکھتے ہوئے وہ یہ عذر نہیں پیش کر سکتا کہ مجھے علم نہیں تھا کہ ما قدم کیا ہے یعنی کونسی اقدار ہیں جنکو مقدم کرنا چاہئے اور ما اخر کیا ہے اور کونسی اقدار ہیں جو ترک کرنے اور چھوڑنے کے قابل ہیں دوسرے انسان کا بصیرہ ہونا حجت ہے اسکے نفس پر کہ اسکا نفس لوامہ دلیل ہے کہ اس سے حساب لیا جائے گا حضرت شاہ عبدالقادر رحؒ موضح القرآن میں اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انسان اپنے احوال پر عذر کرے تو اپنے رب کو پہچان سکے بہت عمدہ نکتہ ہے جو نبی کریم صلعم کے فرمودہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی وضاحت کرتا ہے انسان کا سراپا ظاہر اور باطن کے لحاظ سے بنانے والے نے بنایا ہی ایسا ہے کہ اسکے تمام احوال ذہنی اور شعوری اور تمام واردات قلبی اور وجدانی اور تمام خیالات اور تصورات و تخیلات اور پھر اسکا بدن یعنی وہ ظرف جو اسکے نفس کو سمیٹے رکھتا ہے یہ سب ایسے طور پر بنایا گیا ہے اور اسلئے بنایا گیا ہے کہ وہ صفات الٰہیہ کا مظہر ہو

دوسرے معنی بصیرہ کے حجت اور شاہد کے ہیں یعنی انسان خود اپنے خلاف حجت ہے کہ اپنے منہ سے اقرار کرتا ہے کہ وہ صاحب تمیز ہے اور صاحب اختیار ہے اور صاحب عقل و شعور ہے تو وہ اپنے دعوی سے پکڑا گیا کہ اگر وہ صاحب اختیار ہے تو اسکو اس اختیار کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی اور پھر اب وہی کرنی ہوگی یہ بہت موثق دلیل ہے کہ اگر انسان Responsible ہے تو اسکے آگے اگر یہ جانا کہ معاشرہ کے سامنے تو یہ باطل ہے کہ انسان کا وجود معاشرہ پر مقدم ہے اگر وہ معاشرہ کے سامنے ذمہ داری سمجھتا ہے تو پھر مقدم کو موخر کرنے کی حماقت کا ارتکاب کرتا ہے

انسان پہلے وجود میں آیا اور پہلے Homosapian یعنی باشعور بنا تو پھر معاشرہ وجود میں آیا تو ذمہ داری

اور جواب دہی اسکے آگے کتنا محال ہے جسکا وجود انسان کا شعور ہے غرض اگر انسان ذمہ دار ہے اور جواب دہ تو یہ ذمہ داری کس کے سامنے

بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ سے یہی معنی ہیں کہ انسان خود اپنے خلاف گواہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسکے جوارح ایسے بنائے

اور تصویر نشان ایسے رنگ میں کیا کہ اعمال انسانی اسکے جوارح پر اسکی انگلیوں پر اثرات چھوڑتے جاتے ہیں

یہ انکا جواب ہے جنھوں نے کہا کہ پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

یعنی آیت میں اعمالنامہ پیش کیا جاتا جسکے ساتھ گواہ کے طور پر اعمالنامہ لکھنے والے فرشتے خود بخود گواہ بن گئے

تو اسکے بعد اس آیت میں فرمایا کہ ضرورت ہی نہیں خود انسان کی یعنی اسکی بناوٹ اور خلقت وجود ذہنی طور پر

یا نفسیاتی طور پر ایسے طور پر گواہ رکھا گیا ہے انسان کی اپنی نفسیات اسکے خلاف گواہی دیتی ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ

کی تحقیقات کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ بہت کی ذہنی بیماریاں اور الجھنیں اور دماغ کی خرابی اسی وجہ سے ہوتی ہے

کہ انسان ان ذمہ داریوں کو قبول کرتا ہی نہیں یا ناپسندیدہ ان کی گرہ ہی تو گریز کی راہ تلاش کرتا ہے یا نفسیاتی

کشمکش میں مبتلا ہو کر اسکے نفس میں یعنی ضمیر اور نفس میں ایک جنگ سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسکا نتیجہ جنون

اور دوسری نفسیاتی بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تو نفسیات انسانی گواہی دیتی ہے اسکے علاوہ جسمانی طور پر بدن

کی انگلیوں کا ایسا بنایا کہ وہ اعمال پر گواہ رہتا ہے جسکی مثال انگوٹھے کا نشان ہے کہ اس سے چور پکڑا جاتا ہے

Forensic science

ابھی اس میدان میں انسانی علم نے زیادہ ترقی نہیں کی تحریر بھی کافی علم حاصل کیا ہے

کے ماہروں میں سے ایک کا مضمون میں نے پڑھا ہے کہ اس کا دعویٰ ہے کہ ہزار ہا سال پرانے جرائم کا سراغ لگانے کے ذرائع بھی انکے پاس لیکن

آگئے ہیں

خ. [illegible]

میں "بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ" کے الفاظ میں بہت سے علمی حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انسانی نفسیات اور انسانی جسم کی بناوٹ سے تعلق رکھتے ہیں ان حقائق میں سے بعض انسانی تجارب سے ثابت ہو چکے ہیں مثلاً یہ کہ انسان کے جوارح کو اللہ تعالیٰ اس پر قیامت کے دن گواہ بنائے گا جیسا کہ فرمایا "تشہد علیہم السنتہم وایدیہم وارجلہم بما کانوا یعملون" انکی زبانیں انکے ہاتھ اور پاؤں انکے اعمال پر گواہی دیں گے بعید نہیں کہ قیامت کے دن Video Tape کی صورت میں انسان کی ساری زندگی کا نقشہ اسکے سامنے پیش کر دیا جائے

آیت ~~[illegible]~~ "بصیرۃ" الانسان کی خبر ہے گویا انسان کو بصیرۃ یعنی صاحب نظر اور صاحب بصیرۃ کا نام دیا ہے جس طرح اس کو نفس لوامہ کا نام دیا تھا اور اسی نفسیہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دو نفس ہیں جس کو کہتے ہیں نفس لوامہ نفسیہ کہ ہر انسان کے دونوں نفسوں میں باہم مشورہ ہو رہا ہے جس کو Dual Personality کہتے ہیں مطلب یہ کہ اگر ~~[illegible]~~ ~~[illegible]~~ صاحب البصیرۃ نہیں تو انسان نہیں اس لئے اس مقام شرف اور عزت کا مستحق نہیں جو انسان کے لئے مخصوص ہے اور اگر صاحب بصیرۃ ہے تو جزا و سزا کا انکار نہیں کر سکتا جس طرح کوئی عاقل بالغ انسان قانون کے مواخذہ سے باہر نہیں ہو سکتا

آیت ۱۶ "ولو القی معاذیرہ" فرمایا کہ خواہ انسان کتنی ہی صفائی پیش کرے اور معذرت کرے اس کا الزام دور نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکا نفس لوامہ ہونا اور صاحب البصیرۃ ہونا اسکی معذرت کو رد کرتا ہے معاذیر معذرۃ کی جمع ہے اور معاذیرہ میں ضمیر انسان کی طرف جاتی ہے مگر "تعذر" یا "تعذرا" و "معذرۃ" کے معنی ہیں رفع عنہ اللوم والذنب یعنی یہ کہنا کہ اس پر الزام نہیں یا وہ کسی بات میں قابل مواخذہ اور قابل مذمت نہیں یا یہ کہ اسکا کوئی گناہ نہیں مقدم کا معنی یہ ہے کہ وہ نفس لوامہ ہے جو معذرت پیش کر رہا ہے لوامہ پر کہتا ہے کہ مجھ پر کوئی مذمت نہیں

معاذیر معذرۃ کی جمع ہے جیسا کہ علماء لغت نے تشریح کی ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ معذرۃ کی جمع تو مفاعل کے وزن
پر معاذر ہونی چاہیے یا زائد کیوں لائی گئی ہے اس کا مختلف جواب دیا گیا ہے زمخشری کہتے ہیں کہ اگر جمع خلاف قیاس ہے
ہے جیسے مناکیر منکر کی جمع ہے دوسرے علماء نے اس کو رد کیا ہے اور مختلف جواب دئے ہیں جن میں کا مجموعی ترکیب یہ
نہیں آیا میرے نزدیک یا زائد کی گئی ہے زیادت معنی کیلئے اور عربی زبان کی یہ خوبی ہے کہ بعض اوقات کسی لفظ میں
کوئی حرف زیادہ کر دیتے ہیں اسکے معنی میں زیادت کیفیت یا کمیت یا کثرت کا معنی پیدا کرنے کیلئے تو دراصل
معاذر ہی تھا یا زائد کرکے اس میں مبالغہ کا معنی پیدا کئے گئے ہیں اور مطلب یہ پیدا کیا گیا ہے کہ انسان بہت
حیلہ جو اور بہانہ باز ہے اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوئے اور نفس لوامہ ہوتے ہوئے شہوات نفس میں پڑ کر
حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور پھر بھی جھوٹی لمبی فہرست عذر معذرت کی پیش کرتا چلا جاتا ہے
اس میں انسانی نفس کے اس عیب کی طرف اشارہ ہے کہ بجائے احساس ندامت اور اعتراف قصور کے انکار و عمل
ڈھٹائی کے رنگ میں بحث بازی کے ذریعہ ان کا رنگ میں آتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے وکان الانسان اکثر شیء جدلا (الکہف)
یعنی انسان بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے اور بات بات بنانا اور خواہ مخواہ کی بحث کرنا اس کی عادت ہے یعنی
Argumentative کج بحث بال کی کھال نکالنے والا اور بےوجہ بحث بازی کرکے حقائق کا انکار کرنے والا
قرار دیا گیا ہے ضدی ہونے کا بھی مفہوم ہے کہ حقیقت کا احساس ہوتا ہے لیکن اپنی بات کی پچ میں بحث کرنا یہ انسان کا
نفس کا ایک عیب ہے

ولو القی معاذیرہ کا مفہوم زمخشری نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے لو جاء بکل معذرۃ لیتبرئ بھا عن نفسہ ویجادل عنہا

یعنی خواہ کتنے ہی عذر پیش کرکے اپنی صفائی کرنا چاہے اور اپنے نفس کی وکالت میں کتنے ہی دلائل لائے کیونکہ اسکا نفس لوامہ ہے اور وہ علی نفسہ بصیرۃ ہے اپنے دل میں جانتا ہے کہ فضول بحثیں ہیں اسکا ثبوت یہ ہے کہ اگر اس کے عذر کوئی وزن رکھتے تو اس کے اسکے ضمیر کی تسلی ہوتی اور ضمیر کی خلش دور ہوتی لیکن ایسا نہیں ہوتا تو پایا جاتا ہے کہ گناہ پر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور حقوق کی ادائیگی سے پہلو تہی کرتا ہے اور پھر بجائے ندامت کے الٹے بہانے پیش کرکے عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہوتا ہے

معذرۃ اصولی طور پر دو قسم کی ہوتی ہے ایک یہ کہ انسان کہے کہ مجھے علم نہیں تھا کہ میری یہ ذمہ داری ہے یا یہ کہ مجھے جواب دہی کرنی ہوگی اسکا رد نفس لوامہ کے الفاظ میں پہلے ہو چکا کہ خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالی نے اسے صاحب اختیار اور ذمہ دار وجود بنایا ہے اور اسے جواب دہی کرنی پڑے گی تاکہ یہ جانتے ہوئے اور صاحب ادراک ہوتے ہوئے بھی خواہ مخواہ کا عذر تراشتا رہتا ہے دوسری صورت معذرت کی یہ ہے کہ مجبوری کا اظہار کرے کہ علم تو تھا کہ یہ کرنا چاہئے اور یہ نہیں کرنا چاہئے لیکن عذر پیش کرے کہ یہ مجبوری پیش آگئی یا اس قابل نہ تھا کہ حکم بجا لاتا اسکا رد سورۃ کی ابتداء میں کردیا کہ پیدا کرنے والے نے جس مقصد کیلئے پیدا کیا تھا اسکے لئے قوی اور جوارح بھی عطا فرمائے تھے اور اسکو ایسا کامل وجود بخشا تھا جو ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ممد و معاون تھا تیسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عذر کا سراسر جھوٹا عذر ہے کہ یہ کہہ دے کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا جیسا کہ بتایا گیا ثم لم تکن فتنتھم الا ان قالوا واللہ ربنا ما کنا مشرکین (الانعام) یعنی اللہ تعالی صاف مکر جائیں گے اور قسم کھا کر کہہ دیں گے کہ خدا کی قسم ہم نے تو شرک نہیں کیا

لو القی معاذیرہ - چار لفظ ہیں تین کی تشریح تو ہوگئی ایک لو کا لفظ قابل تشریح رہ گیا لو حرف شرط ہے

اور جب حرف شرط ہو تو ظاہر ہے کہ اسکا جواب ہونا چاہئے بعض علماء کہتے ہیں کہ لو حرف شرط اس طرح بھی استعمال ہوتا ہے
کہ شرط کے معنی اسکے اندر نہیں رہتے اسلئے جواب کی ضرورت نہیں اس صورت میں لو ان کے مترادف سمجھنا چاہئے
جیسا کہ نحویوں نے کہا ہے جیسا کہ فرمایا کہ لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون یعنی اللہ تعالی اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرکے
چھوڑے گا اگرچہ مشرک اسکو کتنا ہی ناپسند کریں یہ صورت زیادہ مناسب ہے مطلب یہ کہ انسان اپنے نفس پر خوب آگاہ
ہے اگرچہ کتنے ہی عذر کیوں نہ پیش کرتا پھرے حقیقت چھپ نہیں سکتی کہ انسان کو صاحب شعور پیدا کیا گیا اور اسے نیک و بد کی تمیز عطا کی گئی
دوسری صورت یہ ہے کہ لو میں شرط کے معنی ہیں مگر جواب مذکور نہیں اور سیاق سے نکالا جائے گا جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے کہ ولو القی
معاذیرہ لم ینفعہ ذلک انسان عذر پیش کرتا ہے پیش کرتا رہے اسکا کوئی فائدہ نہ ہوگا" جیسا کہ فرمایا یوم لا ینفع
الظالمین معذرتہم اور فرمایا و لا یؤذن لہم فیعتذرون اس دن ظالموں کو معذرت پیش کرنا فائدہ نہ دے گا
اور فرمایا کہ انکو یہ اجازت بھی نہ دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کرسکیں اسلئے کہ معذرت بے سود ہے جسکی وجہ یہاں بیان فرمادی
کہ انسان کا وجود اسکا شعور و بصیرت اور اسکے اعضاء و جوارح سب اسکے خلاف شہادت دینے پر متفق ہیں تو معذرتیں اور اس کے
جواب میں بل الانسان علی نفسہ بصیرہ ولو القی معاذیرہ کا یوں بھی نکالا جا سکتا ہے کہ ولو القی معاذیرہ وانکر یکونہ بصیرۃ فانہ بصیرۃ علی نفسہ
یعنی خواہ حجت بازی کرے اور جتنی چاہے حجت بازی کرے اور بصیر ہونے کا انکار کرے تو بھی اس حقیقت کو چھپا نہیں سکتا کہ وہ صاحب بصیرت پیدا کیا گیا
السدی اور الضحاک نے معاذیرہ کے معنی ستور یعنی پردوں کے کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ پردوں کے معنی میں بعض عرب استعمال کرتے
مطلب یہ کہ اپنے قصوروں پر کتنے پردے ڈالے سزا سے بچ نہیں سکتا کہ خود اسکا نفس اس پر شاہد ہے
بعض نے اسکے یہ معنی کئے ہیں کہ القی معاذیرہ کے معنے ہیں لو احال الجرم علی الغیر یعنی ایک دوسرے پر الزام دھرنا اور بتانا کہ

میرا مقصد نہیں بلکہ فطرت کا قصور ہے جیسا کہ فرمایا لولا انتم لکنا مومنین قیامت کے دن عام انسان اپنے سرداروں کو کہیں گے کہ ہمارا قصور ہے تم نے ہمیں گمراہ کیا اور اگر تمہاری سازشیں اور گمراہ کن باتیں نہ ہوتیں تو ہم مومن ہوتے

خلاصہ یہ کہ لولا کے جملہ پر غور کر کے تین معنی پیدا کئے گئے ہیں

اول یہ کہ ترک کا مفہوم پیدا کرتا ہے یعنی بتایا گیا ہے کہ انسان طبعاً بہانہ جو اور عذر خواہ ہے ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور پھر حجت بازی شروع کر دیتا ہے گویا ان الفاظ میں انسانی نفسیات کے اس نقص کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس کی اصلاح کے بغیر انسان روحانی اور اخلاقی ترقی سے محروم رہتا ہے ۔ یہ عیب انسان میں ہوتا ہے جب تک کہ مجاہدات اور دعاؤں کے ذریعہ ترقی کر کے ابرار کا مقام حاصل نہ کرے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ربنا ظلمنا انفسنا ابرار کا ہے ۔ ابرار دعا سے ترقی کرتے کرتے اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سپردگی کا اقرار صرف زبان کا نہیں بلکہ سارے وجود کے ساتھ اسی سپردگی کرتے ہیں اور عیب کو اپنی طرف اور خوبی اور بھلائی کو اس پاک ذات کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اپنی ذات میں سبحانہ وتقدس ہے مولانا روم نے اس فرق کو اپنی مثنوی میں بہت خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے وہ آدم علیہ السلام کا واقعہ اور شجرہ ممنوعہ کا قصہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ ایک طرف آدم ہے جو مقام عصمت پر فائز ہے اس سے بھول ہو جاتی ہے لیکن وہ معذرت خواہی کا طریق اختیار نہیں کرتا بلکہ اعتراف قصور کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کرتا ہے کہ وہ اپنی توفیق دے کہ قصور کی تلافی ہو جائے اور آئندہ قصور نہ ہو لیکن آدم کے بالمقابل ابلیس ہے وہ بجائے اس پاک نمونہ کو اختیار کرتا اور آدم کی اتباع کرنے کے الٹا ڈھٹائی سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ رب بما اغویتنی خدایا تو نے مجھے گمراہ کیا

جیسا کہ حضرت مولانا مودودی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ فرشتہ کی مت دکھاؤ کہ تم نہیں ہو نسل بشر – بار لیکن شیطان ابلیس ہے کہا کہ تم ابلیس
کی نسل نہیں ہو جو شیطان کی طرح اکڑ جاؤ اور ناپاک بات زبان پر لاؤ اور قصور کرکے بجائے اعتراف و ندامت کے زبر نکالو
تم آدم کی نسل ہو آدم کا نمونہ اختیار کرو جو یہ ہے کہ اعتراف قصور ہے

دوئم دلائل معاذیر: کہہ کر یہ بتایا ہے کہ بدی اختیار کرنا اور پھر اس پر معذرت خواہی کا طریق اختیار کرنا اس حقیقت کو
چھپا نہیں سکتا کہ انسان کو بصیرت اور شعور عطا فرمایا گیا ہے بصیرت و شعور فطری چیز ہے اور معذرت خواہی
معذرت گناہوں میں ملامت کو پیدا کرتی ہے اسلئے فرمایا کہ تم بھی بہانے ڈالو اس حقیقت کو چھپا نہیں سکتے کہ
انسان نفس لوامہ ہے ملامت اور ضمیر کی خلش کو معذرت کے ذریعے دور کرنا ممکن نہیں ہو پاتا باوجود کہ معنی
دے کر اپنی صحبتوں کے ڈھیر بھی لگا دے اسلئے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہے گی کہ انسان کا نفس نفس
لوامہ ہے اور انسان کو اپنے نفس پر نگران اور گواہ مقرر کیا گیا ہے

سوئم تیسرے سبق دلائل میں یہ کہہ کر یہ پہلو دیا گیا کہ معذرت آپ کا حاصل فعل ہے معذرت کا حقائق
بدل نہیں سکتی مثال کے طور پر آپ طالب علم سبق یاد نہیں کرتا اب وہ ہزار بہانا کرے اور قسم کا عذر
پیش کرے اس کا یہ حقیقت کہ اس نے سبق یاد نہیں کیا کسی طرح بدل سکتا ہے ماضی تو کسی کے اختیار میں نہیں جو دن
غفلت میں ضائع کر دیا وہ واپس تو نہیں آ سکتا کہتے ہیں کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں بس ہر طرف توجہ دلائی
کہ تم صاحب شعور اور با اختیار ہو ذمہ دار ہو لہٰذا راہ راست کی طرف متوجہ ہو زندگی کو عذر خواہی میں ضائع نہ کرو
لہٰذا یاد رکھو عذر خواہی فضول ہے futile کا حاصل کام ہے اس کا حقائق بدل نہیں سکتے تاریخ اس کا شاہد ہے

کہ انسان کی زندگی میں قومی اور فردی دونوں سطح پر سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ انسان بھی اور قومیں بھی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے کوتاہی کرتی ہیں اور پھر بجائے تلافی کے عذر خواہی سے اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا اپنے مستقبل کو اور بھی خراب کر دیا جاتا ہے

پس ورالتی معاذیرہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کے نقص کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا ہے کہ عذر خواہی بے فائدہ کام ہے کہ اس سے ضمیر کی خلش دور ہوتی ہے نہ اس سے حقائق بدل سکتے ہیں موجودہ زمانہ میں ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کے نتیجہ میں پیدا ہونی اور اعصابی بیماریوں کا علاج تجزیہ نفس اور Psyciatry کے ذریعہ تجویز کیا جاتا ہے تو اس میں بھی یہی غلطی کی جاتی ہے کہ تجزیہ کر کے گویا خلش کی وجہ دریافت کرنا کو عذر خواہی اور مصالحت کا ذریعہ سمجھا گیا ہے گویا کہ جب انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی خلش کی وجہ کیا ہے تو گویا اصلاح کے Reconciliation ہو جاتی ہے اور اطمینان دور ہو کر ذہنی سکون حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطی ظاہر فرمائی ہے کہ یہ ممکن نہیں تجزیہ اور تحلیل نفسی علاج نہیں ہو سکتا کیونکہ ضمیر مرا نہیں زندہ ہے یہ تجزیہ بھی ایک قسم کی عذر خواہی ہے یعنی بجائے اسکا کہ مریض انسان خود عذر خواہی کرے تجزیہ نفس کے ذریعہ علاج کرنے والے کو وہ کرائے پر حاصل کر کے اس کے ذریعہ علاج کروانا چاہتا ہے یہ گویا موجودہ زمانہ کے وحی کی ایک صورت ہے کہ بجائے خود عذر کرنے کا فائدہ نہ دیکھا تو دوسرے انسان کو کرائے پر دے کر اس کام کیلئے مقرر کر دیا یہ طریق ہمیشہ کسی نہ کسی رنگ میں رہا ہے کبھی Witch doctor کی شکل میں کبھی پریسٹ کے سامنے Confession یعنی اقرار و اعتراف کی صورت میں انسان اپنے ضمیر کی خلش کا مداوا تلاش کرتا رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ یہ صحیح علاج نہیں ہے نہیں تو اس طریق علاج کا کوئی فائدہ

ہوتا مطلب یہ ہے کہ یہ طریقہ علاج ایک عارضی سکون کی صورت تو پیدا کر دیتا ہے لیکن Palliative Care ہے
نہیں کیونکہ کینسر کی تشخیص کی وہ شدت جو دیوانہ کر دیتی ہے اس میں کمی تو ہو جاتی ہے اور تھوڑی دیر کو مقدم کرتا
کی کیفیت تھوڑی دیر کے لیے دور ہو جاتی ہے تمام بیماری برقرار رہتی ہے بلکہ صحیح علاج میسر نہ آنے کی وجہ
سے پہلے سے زیادہ شدت سے دوبارہ نمودار ہوتی ہے جیسا کہ جسمانی درد کو سکون دینے والی دوائیوں
کا حال ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ان کا اثر نہیں ہوتا

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علاج کیا ہے آخر انسان کمزور ہے اس سے قصور ہو جاتا ہے گناہ کا صدور ممکن ہے تو کیا
ایک دفعہ گناہ کرنے کے بعد اس کا علاج ممکن نہیں اور مجرم کا احساس ہمیشہ انسان کے سکون کو برباد کرتا رہے گا
اس کا علاج قرآن کریم کی رو سے یہ ہے کہ جب انسان تسلیم کرتا ہے کہ وہ خطا و نسیان کا پتلا ہے اور کمزور اور ناتوان ہے
تو اس کو اپنی بے بسی کا چارہ اور اپنی کمزوری کا علاج ایسی ہستی کی ذات میں تلاش کرنا چاہئے جو ہر عیب اور ذلت
سے پاک ہو اور قوی ہو جسکی قدرت کے آگے کوئی چیز انہونی نہ ہو جس کے اختیار سے نہ ماضی باہر ہے نہ مستقبل اور پھر
اس ہستی سے تعلق قائم کرکے اپنا بوجھ اس پر ڈال دینا چاہئے اور اسکی قوت سے قوت حاصل کرنی چاہئے
یہ وہی ہے جو طاقت رکھتا ہے کہ انسان کو پناہ دے اور اسکی کمزوریوں اور خطاؤں اور قصوروں کو پاک کرے
اسے وہ مقام عطا کرتا ہے جس پر فائز ہو کر لا خوف علیهم ولا هم یحزنون کی خوشخبری انسان کو حاصل
ہو جاتی ہے یعنی نہ پچھلے گناہ اور قصور اسکے سکون کو برباد کرنے کا موجب اور اسکی ترقی کی راہ میں روک بن سکتے ہیں
نہ اسکا مستقبل تاریک ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس لوامہ بنایا اور اسکو ضمیر عطا فرمایا یہ مطلب اسلئے نہیں تھا کہ اسکی یہ ملامت کی کیفیت
اور ضمیر کی خلش اسکے قویٰ کو مفلوج کر کے اسے ناکارہ اور مجنون بنا دے بلکہ اسلئے تھی کہ اسکی ترقی ہو
سکے اور اسکے مقصد کے حصول میں معاون ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ تعلیم دی ہے کہ اگر انسان کا قصور ہو تو
اسکو اسکے ازالے کیلئے کوشش کرنی چاہئے یہ نہیں ہونا چاہئے کہ گناہ ایک تسلسل کی صورت اختیار کر جائے اور گناہ
در گناہ ایک سلسلہ شروع ہو جائے اور انسان یہ دیکھ کر کہ گناہ ہو گیا ہے کچھ نہیں ہو سکتا مسلسل کی طرح تعاقب کرتا رہے
اور مشیت کی طرف سے مایوس ہو کر گناہوں کی دلدل میں پھنستا ہی چلا جائے احساس گناہ جہاں ایک طرف مفلوج
کر دیتا ہے تو دوسری طرف مہمیز کا کام بھی دیتا ہے کہ انسان اپنی گذشتہ کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنی زندگی کا نیا
ورق الٹنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسلئے تعلیم دی گئی کہ مایوس نہیں ہونا چاہئے اس پاک ذات اور اس قدرت
والے خدا سے مایوس ہونا سب سے بڑا گناہ ہے اور جہنم میں ڈالنے کا موجب ہے فرمایا قل یا عبادی
الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم (الزمر ۵۴)
کہہ دے اے میرے بندو جنہوں نے گناہ کر کے اور حقوق کا اتلاف کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور گناہوں پر اس گناہ عظیم کا اضافہ
نہ کرنا کہ اپنے رب رحیم کی رحمت سے مایوس ہو جاؤ۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو اللہ تعالیٰ سارے
گناہ معاف کرنے اور بخشش دینے پر قادر ہے اور بخشش دیتا ہے کہ وہ غفور ہے بخشنے اور معاف کرنے اور گناہ کے اثرات
دور کرنے اور انکا علاج کرنے کی پوری طاقت رکھتا ہے اور وہ رحیم ہے وہ بندے کی حالت پر رحم کرتا ہے
بشرطیکہ انسان اسکی رحمت سے مایوس نہ ہو اور بخشش کا طالب ہو اور بشرطیکہ انسان اپنی حالت کو ایسا بنائے

جو اسکی رحمت کو جذب کرنے والی ہو

پس انسانی ضمیر کی خلش قرآنی تعلیم کی رو سے اسکے قویٰ کو مغلوب کرنا اور اسکے دماغ کو معاون و وقف کرنے کیلئے ہیں بلکہ اسلئے کہ ضمیر کا کام دے اور انسان نفس کی ملامت کا متنبہ ہو کر حصول مقصد کیلئے آگے آگے بڑھتا چلا جائے

غرض اصول تدبیر یہ سمجھ ہے جو قرآن کریم تجویز کرتا ہے کہ انسان حقیقت الانسان اور کمزور ہے اسکو سہارا کی ضرورت ہے ایسے وجود کی ضرورت ہے جو قادر و مقتدر ہے اپنی رحمت کے اسکے لوگوں کو بیکار رکھتا ہے پھر اسکی تفصیل یہ بتائی کہ توبہ رے قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے توبہ جو ہلاک کرنے والے احساس گناہ کا علاج ہے اور جو پاک کرنے والی کا معرفت [illegible] کی چادر میں چھپانے والا ہے اسکے کئی اجزاء ہیں اول احساس ندامت جو پہلا قدم ہے جسکی طرف رسول کریم نے اشارہ ہے جو فرمایا بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ شعور اور کوتاہی کا اعتراف کرے جھوٹے اور بے بنیاد اور [illegible] حاصل عذر تلاش کرنے کی بجائے ندامت کے آنسوں سے معصیت کے داغ دھونے کی کوشش کرے دوئم تبدیلی کہ جہاں تک ممکن ہو [illegible] جو پہلے ہو چکا اور جس جس رنگ میں جس جس حق مارا ہے جہاں تک ممکن ہو اسکی تبدیلی کرے سوئم عزم کہ اپنے ارادے کو مضبوط کرے تاکہ شدہ نفس امارہ کی شورہ پشتیوں کے بچتا رہے گا توبہ ایک قسم کی موت ہے جو انسان نے کوشش کیا تو اپنی پر غفلت اور معصیت زندگی پر وارد کرتا ہے اور اسکے بعد اسکے نئے عزم کیا تو ایک نئی زندگی شروع کرتا ہے چہارم دعا کہ یہ جانتے ہوئے کہ پہلے بھی اس نے [illegible] اور آئندہ بھی امکان ہے کہ [illegible] جاتے ہوئے [illegible]

کوششوں سے ان صعوبات کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو درپیش آئیں اور اس طوفان کے مقابلے میں جو نفس امارہ
اٹھاتا ہے بے دست و پا ہے اور نہیں بچ سکتا جب تک کوئی طاقت ور ہاتھ اس کی مدد کو اس کی جانب نہ بڑھے
بس احساس تذلل و انکسار کے ساتھ اور اس یقین کے ساتھ کہ وہ طاقت ور ہاتھ جو اسے اس طوفان
کے تھپیڑوں سے ساحل مراد تک پہنچا سکتا ہے اس کے خالق اور رب رحیم کا ہاتھ ہے اس کی مدد طلب کرے
جسے استغفار کہتے ہیں فرمایا ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرو کہ وہ بخش دے
اور اپنی طاقت سے طاقت عمل زیادہ کرے اور اپنی رحمت سے نوازے اور اپنی صفت قیومیت سے تمہارا دستگیر ہو جائے
اور تمہیں اس پر صعوبت راہ میں ثابت قدم رکھے - یہ علاج ہے جو اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب میں نفسیاتی الجھنوں اور
ذہنی پریشانیوں کے لیے تجویز کیا گیا ہے کہ ہر دانا انسان جانتا ہے کہ وہ راہ جس پر انسان کو چلنا ہے بہت
پر خطر راہ ہے اور زندگی تھوڑی ہے اس راہ کے کانٹے بہت جلد ختم ہو جاتی ہے بس ضرورت ہے ایک قوی
سہارے اور قدرت والے ساتھی کی جو اپنی قدرت سے راہ کی ساری مشکلات دور فرما دے کہ اس کی مدد
سے انسان منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے جس طرف کہ لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ کے
الفاظ اشارہ کر رہے ہیں

آیت سورۃ الزمر کی آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ
میں گناہوں کی نجاست سے بچنے کیلئے جو انسان کے شعور کے دشمن ہیں جو علاج بتایا تھا اس آیت میں قل کا لفظ بہت اہم ہے اور اس کی
تشریح بھی ضروری ہے اس آیت سے یہ واضح ہے کہ انسان کو نفس امارہ کی غلطیوں سے بچنے کا علاج بتایا گیا ہے لیکن یہ علاج اللہ تعالیٰ نے

بلا واسطہ نہیں بنایا بلکہ بالواسطہ اپنے نبی پیارے کے ذریعہ بنایا ہے فرمایا قل یا عبادی یعنی اے میرے رسول میرے بندوں کو کہہ دو
نہیں بلکہ تسلیم دیا کہ اے میرے بندو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اسی بالواسطہ طریق اور اپنے بندوں کی نسبت اپنے نبی کی طرف
قرار دینے کے اندر رسول اللہ صلعم کا مقدم بتا کر یہ نکتہ سکھایا ہے کہ انسان اس شخص کے وقت جب گناہوں کی زیادت اور شدت
رشتہ داری کا اثر دعے میں دخل بھی کرتی ہے کہ پر امید پیغام رسانی کا محتاج ہوتا ہے مگر مایوسی کی ایسی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے
کہ زبانی خوشخبری اسکی امید بندھانے اور تسلی دینے کیلئے کافی نہیں ہوتی بلکہ وہ نمونے کا بھی محتاج ہوتا ہے وہ جاننا چاہتا ہے
کہ کیا واقعی انسان کی نجات ممکن ہے کیا حقیقتاً کوئی ایسا انسان بھی ہے جس کا اس پر خاردار دامن دلدلی سیاہ تو کو لگا کر
اور اسکے دامن پر کسی قسم کی آلودگی نہ آئی ہو چونکہ مایوسی کی انتہا پر پہنچا ہوا انسان کسی کیفیاتی تسلی کا محتاج
تھا سو خدائے غفور و رحیم نے اسکے لئے یہ سامان فرمایا کہ اپنے معصوم نبی کا نمونہ پیش کیا اور گناہ
کی ڈوبتی امیدوں کو صحیح پانی کا جتنا بڑا ہو وہ دکھا کر ضرور صلح کا تو آنحضرت کی صورت محمد رسول اللہ صلعم
کی شکل میں انکے سامنے کر دی اور فرمایا کہ ان کو کہہ دے کہ بیشک تمہارے لئے نجات ممکن ہے مگر تو ہم کو تم
میں اور بے شک تمہارے لئے توبہ ممکن ہے مگر عبادی کی نسبت قائم کرنا یعنی میرے متبع بن کر محمد کی محبت اور اخلاص
کا ایسا تعلق قائم کرنے جو میرے وسیلے کے تمہارا خدا کے ساتھ جوڑ دے اس لئے کہ ہمارا سامنے نفس لوامہ کا
ذکر کا معنی بھی آگئے جو یہ کہ گئے تھے کہ لوامہ وہ نفس ہے جو انکھ ہی ایسا کہ ~~ملامت کا باعث~~ اسکا اپنا اور ملامت
سے بالکل قرار دیا ہے اسی لئے اگلی آیت میں خطاب کو بدل دیا اور تمام انسانوں کے ذکر کے بجائے خاص طور پر کہا کہ ساتھ خطاب
فرمایا تاکہ آپ کے وجود کو آپ پر نازل ہونے والے کلام اور اسکے اعجاز کو قیامت کی دلیل اور ہر انسان کیلئے امید کا

کر کے سنائے جاتے۔ گذشتہ سورۃ المدثر میں تفصیل کے بیان کا ہم حصہ نہیں فرمایا لا تحرک به لسانک لتعجل به

قرآن کریم کا حصول اور اس کی حفاظت اور اس کے قیام اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے میں جلدی نہ کر کہ جلدی کا کام بگڑ جاتا ہیں۔

اور آدم کی مثال ہم دیکھ چکے جس کے عجلت کا صدور ہوا اور انسان جنت کے نکالا گیا اب تجھے ہم نے بھیجا کہ انسان کی کھوئی

ہوئی جنت اسے دوبارہ مل جائے سو تو کا ہم امید رکھتے ہیں کہ تو ہی عجلت پسند کا جو پہلے ٹھوکر کا موجب ہوئی تھی

کی زندگی میں اس کا صدور نہیں کرتا